میں احتیاط زیادہ ہو۔

مسافت قصر کے بارے میں مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قد جاء فی ھذا آثار مختلفة فاخذنا فی ذلك بالثقة، وجعلناه مسيرة ثلاثة ايام و لياليها، فلان يتم الرجل فيما لا يجب عليه احب الينا من ان يقصر فيما يجب فيه التمام

''اس سلسلے میں مختلف روایات آئی ہیں۔ ہم نے زیادہ قابل اعتماد روایت کو لیا ہے، اور تین دن تین راتوں کو مسافت ٹھہرایا ہے، کیونکہ آدمی مکمل نماز واجب نہ ہونے کی صورت میں مکمل نماز پڑھ لیں، یہ ہمیں اس سے زیادہ پسند ہے کہ آدمی مکمل نماز پڑھنے کی صورت میں قصر نماز پڑھیں۔''

خلاصہ یہ کہ احتیاط کی بناپر زیادہ مسافت قصر والی روایت کو لیا، کیونکہ قصر کی صورت میں پوری نماز پڑھنا تو کسی نہ کسی طرح قابل قبول ہے، لیکن پوری نماز واجب ہونے کی صورت میں قصر پڑھنا کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہے۔ اس لیے جب مسافت قصر کے بارے میں کم اور زیادہ مدت کی روایتیں جمع ہوئیں، تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ زیادہ مدت والی روایت کو لیا جائے۔

ترجیح بصحۃ المتن

امام محمد رحمہ اللہ متعارض روایات میں بسا اوقات اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں، جس کا متن سب سے زیادہ محفوظ اور صحیح ہو۔ چنانچہ تشہد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ کے تشہد کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وليس فی التشهد شیء اوثق من حديث عبد الله بن مسعود لانه رواه عن النبی صلی الله عليه واله وسلم وكان يكره ان يزيد فيه حرفا (او ينقص منه حرفا) وكان يعلمهم التشهد كما يعلمهم السورة من القرآن

''تشہد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد سے زیادہ معتمد حدیث نہیں ہے، کیونکہ وہ اسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی ناپسند کرتے تھے، اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن مجید کی طرح اہتمام کے ساتھ تشہد سکھلایا کرتے تھے۔''

ترجیح بفقہ الراوی

متعارض روایات میں بسا اوقات صحابی کی فقاہت اور اس کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ افلاس کے مسئلے میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وعلی اوثق فی حديث رسول الله صلی الله عليه وسلم من ابی هريرة واعلم

''حضرت علی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے (فہم کے اعتبار سے) زیادہ با اعتماد اور اور حدیث کا زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔''

چونکہ یہ بات مسلم ہے کہ احادیث حضرت ابو ہریرہ کی زیادہ ہیں، اس لیے یہاں حدیث میں اعلم ہونے کا مطلب کثرت حدیث نہیں، بلکہ حدیث کی سمجھ اور حدیث میں تفقہ مراد ہے۔ کما لا يخفی

اسی طرح رفع یدین کے مسئلے میں بھی حضرت علی و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات کو حضرت ابن عمر کی

روایت پر ان کی "اعلمیت" کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

ترجیح بالقرائن والشواہد

امام محمد رحمہ اللہ بسا اوقات مختلف روایات میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کی تائید دوسری روایات یا متنوع قرائن سے ہو رہی ہو، چنانچہ وتر زمین پر پڑھنے یا سواری پر پڑھنے کے حوالے سے مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فاخذنا باوثقها واشبهها با لحق وبما جاء ت به الآثار من التشديد في الوتر

''ہم نے ان روایات میں معتمد روایت کو لیا، اور اس روایت کو جو حق کے موافق ہے (یہ قرائن کی طرف اشارہ ہے) اور وتر کے سلسلے میں تشدید والی دیگر روایات کے مطابق ہے۔''

شاذ کے مقابلے میں معروف روایات کو ترجیح

متعارض روایات میں اگر کوئی روایت دیگر معروف روایات کے خلاف ہو، تو امام محمد رحمہ اللہ اس کو بھی رد کرتے ہیں۔ سجدہ سہو قبل السلام یا بعد السلام کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن بحینہ کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قيل لهم:ا فنقبل هذا بترك السنة والاثار المعروفة بقول رجل لا يروى عنه غير حديث واحد

''اہل مدینہ سے کہا جائے گا کہ کیا ہم اس روایت کو قبول کر کے سنت اور دیگر معروف روایات ایک ایسے آدمی کی روایت کی بنا پر چھوڑ دیں جس سے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی روایت منقول نہیں ہے۔''

حضرت عبداللہ بن بحینہ کی واقعی کتب حدیث میں یہی ایک روایت ہے، اس کی صحت وعدم صحت سے قطع نظر اس سے امام محمد رحمہ اللہ سے ترجیح کا ایک اہم اصول ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح مس ذکر کے مسئلے میں بھی حضرت بسرہ کی روایت کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ یہ روایت دیگر اجلہ صحابہ کی معروف روایات کے خلاف ہیں۔

صحابی کے قول کو لینے والے پر نکیر درست نہیں

امام محمد نے اس اہم اصول کو بھی جا بجا ذکر کیا ہے کہ صحابہ کے اختلافات کے وقت جس کے قول کو لیا جائے، وہ درست ہے، اس سے مخالف فریق پر نکیر درست نہیں ہے۔

میراث الجد کے سلسلے میں مختلف آثار ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قول العامة على قول زيد بن ثابت، وكل ان شاء الله حسن جميل

''جمہور نے حضرت زید بن ثابت کا قول لیا ہے، اور ہر قول ان شاء اللہ اچھا اور خوب ہے۔''

بیع بالبراءۃ کے مسئلے میں صحابہ کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلنا لهم اجل، قد راى ما قلتم و راى عبد الله بن عمر ما قلنا، فمن اخذ بقول عبد الله بن عمر لم يسيء فهو امام من ائمه المسلمين

''اہل مدینہ کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، حضرت عثمان کی رائے وہی جو تم نے کہا ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وہی ہے جو ہم نے کہا ہے، تو جس نے حضرت ابن عمر کی رائے کو لیا، اس نے برا نہیں کیا، کیونکہ وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک بڑے امام ہیں۔''

فعل کی بہ نسبت قول قوی ہوتا ہے

مقام ابطح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا تھا، اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

و لو كان هذا من الواجب لقال فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم و اصحابه قولا ابين من الفعل حتى يعرفه الناس بالقول دون الفعل

'':اگر یہ نزول واجب ہوتا، تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کچھ ضرور فرماتے، درانحالیکہ قول فعل سے زیادہ واضح ہوتا ہے، تاکہ لوگ فعل کی بجائے قول سے اس حکم کو پہچان لیتے۔''

نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ محض فعل وجوب کے لیے کافی نہیں ہوتا، جب تک کہ کوئی قرینہ نہ ہو۔ لفظ کا حقیقی معنی اولیٰ ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے کلام سے اس اصول کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ نصوص میں حقیقی معنی مراد لیا جائے گا۔ چنانچہ نکاح الصغیر کے جواز پر قرآن پاک کی درجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد اجاز الله تعالى فى كتابه نكاح اليتيمة و اليتيم اللذان لم يبلغا،لانه لا يتم بعد بلوغ ولا يكون ايضا يتيمه و لها والد

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یتیم و یتیمہ کے نکاح کی اجازت دی ہے، جو بالغ نہ ہوئے ہوں، کیونکہ بلوغ کے بعد یتیم نہیں رہتا، اور نہ ہی اس کو یتیم کہتے ہیں جس کا والد ہو۔''

یہاں نکاح یتیم والی آیت سے صغیر کے نکاح پر جواز حقیقی معنی کے واسطے سے ہے۔ اس سے آگے امام محمد رحمہ اللہ نے دو صفحات میں اس مسئلے پر دل نشیں بحث کی ہے، اور آخر میں آیت میں صرف کبیرۃ مراد لینے پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما ان تخرجوا الصغيرة من اليتم و تجعلوه الكبيرة خآصة يتيمة فهذا امر لا يكون لكم۔

''البتہ یہ بات کہ صغیرہ کو یتم کے معنی سے نکال کر صرف کبیرہ کو یتیم کے تحت داخل کیا جائے، یہ تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔''

یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا

ربا کے ایک مسئلے میں اصول فقہ کے اس اہم ترین قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و كيف يبطل اليقين بموضع التهمة وقد قال الله تعالى ان الظن لا يغنى من الحق شيئا

''اور یقین کیسے شک وتہمت سے زائل ہوسکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک حق (یقین) کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔''

قضاء ادا کے مثل ہے

امام محمد رحمہ اللہ نے ایک جگہ اصول فقہ کے اس مشہور مبحث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قضاء کیفیت وادا میں ادا کے مشابہ ہے۔ مسافر کی حالت سفر میں قضاء کی گئی نمازوں کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لانه انما يقضى مثل الذى كان عليه

''کیونکہ قضاء اس واجب کے مثل ہوتی ہے، جو اس کے ذمے ہوتی ہے۔''

مثبت نافی پر مقدم ہے

شفعہ للجار کے مسئلے میں اہل مدینہ کی حدیث "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقض لجار شفعة" نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و ما اظن ان يكون بين الناس خلاف ان من شهد بكذا و كذا، قد كان احق ان تقبل شهادته من الذى يقول ان كذا وكذا لم يكن

'': میرا خیال نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں اختلاف ہو، کہ جس نے کسی چیز کے ہونے کی گواہی دی، وہ اس سے زیادہ حقدار ہے جس نے اس کے نہ ہونے کی گواہی دی ہو۔''

خاتمہ

امام محمد رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب "الحجۃ علی اہل المدینہ" سے اصولی مباحث کا ایک اجمالی خاکہ ملاحظہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فقہ حنفی کی امہات الکتب اصولی مباحث کا انمول خزانہ ہیں۔ ان اصولی مباحث سے جہاں ائمہ ثلاثہ کے طرز استنباط واستخراج کی جھلک سامنے آتی ہے، وہاں اصولیین حنفیہ کے تخریج کردہ اصولوں کی بھی تائید ہوتی ہیکہ بعد میں آنے والے فقہائے حنفیہ نے ائمہ ثلاثہ سے منقول شدہ فروعات کو سامنے رکھ کر جن اصولوں کا استخراج کیا ہے، ان کی حیثیت ائمہ ثلاثہ کی صراحت کے قریب قریب ہے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ یہ کتاب الحجہ کے اصولی مباحث کا مکمل استقصا نہیں ہے۔ نمونے کے طور پر صرف چند صریح اور اپنے مدعا پر واضح مباحث پیش کیے گئے، ورنہ کتاب میں اصول فقہ واصول حدیث کے بے بہا موتی مستور ہیں۔

مولانا مفتی محمد زاہد*

فضلائے مدارس کے معاشی مسائل

حالات، ضروریات اور ممکنہ راستے

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین و بعد۔

میں اپنی بات کا آغاز قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مبارک حدیثوں سے کروں گا۔ سورہ نوح میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے، اللہ کی طرف بلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ مغفرت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں چلا جائے گا۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا:

اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝

کہ اگر تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو گے تو دنیا میں تمہیں یہ یہ فوائد حاصل ہوں گے۔ اور یہ بات قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں ہے، اور جگہوں پر بھی ہمیں ملتی ہے کہ انبیاء کرامؑ نے اپنے مدعوین کو مخاطب بناتے ہوئے، اپنی قوموں کو مخاطب بناتے ہوئے ان کے سامنے یہ بات بھی رکھی کہ اس چیز کا تمہیں دنیا میں کیا فائدہ ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا مقصود ہے۔ دنیا مقصود نہیں ہے، محض ذریعہ ہے۔ اصل مقصود آخرت ہے۔

فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز۔

ایک مومن کا مقصودِ اصلی تو یہی ہے، لیکن بہر حال دنیوی مفاد جب انسان کے سامنے آتا ہے تو اس سے کام کی رغبت بھی بڑھ جاتی ہے اور وہ کام کرنا آسان بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت نوحؑ کا یہ خطاب تو ان لوگوں کو تھا جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور ان کو ایمان کی دعوت دی جا رہی تھی۔ سرور دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات کے اندر ایک اعلان فرمایا اور یہ اعلان ان لوگوں کے لیے نہیں تھا جون کی ایمان کی دعوت دی جاتی تھی، بلکہ یہ وہ ہستیاں تھیں جو آنحضرتؐ پر ایمان لا چکی تھیں، ان کے ایمان کی گواہی قران مجید دے چکا تھا، اور وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے

*استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد